

اردو ادب اور جدید طرز حیات

URDU LITERATURE AND MODERN LIFESTYLE

ڈاکٹر عرفان احسن پاشا

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد

Dr. Irfan Ahsan Pasha

Assistant Professor, Dept. of Urdu, University of Education, Faisalabad Campus

Abstract

Modern lifestyle is the biggest outcome of our times. As a social phenomenon it is much due to the development of the Human society. Advancement in knowledge laid the foundation of science and technology and this advancement transformed the ancient simple life to the magic world of today where everything is on your single click. Modern life has many problems too. The cause of these problems is also the same advancement in technology. In today's globalized world these problems are at large and encompass the whole world. Urdu literature does not ignore these pros and cons of modern lifestyle in its depiction. This article shows the presentation of modern lifestyle in modern Urdu literature at a glance.

عالم گیریت کا سب سے اہم مظہر وہ جدید طرز حیات ہے جو دنیا بھر کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ موجود ہے۔ جدید طرز حیات میں بہت سے یکساں پہلو ہیں جن میں کسی معاشرے اور کسی ملک کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ ایک جیسی اشیاء کے استعمال اور ایک جیسے نظریات کے پرچار سے ایک ایسا گلوبل معاشرہ وجود میں آیا ہے جس نے قومیتوں، قبیلوں اور ممالک کے درمیان خوراک، لباس، رہائش، اور زندگی کے دیگر طور طریقوں کے ساتھ ساتھ نظریات اور سوچ کے واضح سماجی فرق کو بڑی حد تک تپکٹ کر دیا ہے۔ جدید طرز حیات میں جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت آرام اور آسائش کی انتہا ہے اور حضرت انسان دنیاوی ترقی کے

لحاظ سے تاریخ کے عظیم ترین دور سے گزر رہا ہے وہیں پر اسی ترقی کی وجہ سے بہت سے مسائل کا بھی سامنا کر رہا ہے جس کی وجہ سے خود اس کرہ ارض پر زندگی کو متعدد خطرات لاحق ہیں۔

یہ درست کے کہ بالادست اور معاشی طور پر ترقی یافتہ ممالک ہی اس نظام کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں اسی وجہ سے ان کا اثر جدید زندگی پر بہت زیادہ ہے۔ دور حاضر کی واحد سپر پاور امریکہ ہے جو روسی سوویت یونین کے انہدام کی وجہ سے دنیا میں آزاد جمہوری معاشرے کا داعی اور علم بردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی معاشرت کا اثر جدید زندگی پر سب سے زیادہ ہے۔ اس بات کا اظہار جدید ادب میں بھی کیا جا رہا ہے جو عالم گیریت کے زیر اثر دنیا بھر میں لکھا جا رہا ہے۔ اردو ادب میں جدید معاشرت سے مراد عمومی طور پر امریکی طرز حیات ہی ہے۔ بانو قدسیہ اپنے ناول ”حاصل گھاٹ“ میں لکھتی ہیں:

”امریکہ کی جدیدیت ہی سارے پرانے کپڑوں کو کھا گئی۔ امریکہ کی ہسٹری ان کی سڑکیں اور بازار ہیں، ان کی امریکن زبان ساری زبانوں کو اکھاڑے میں بچھاڑ چکی ہے۔“^۱

جدید طرز حیات کا اندازہ ان ضائع شدہ اور استعمال شدہ اشیاء کی باقیات سے ہوتا ہے جو کوڑا دانوں کی نذر ہوتی ہیں۔ کوڑا دانوں میں پڑی اشیاء سے گھروں میں جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں ان کا پتا چلتا ہے کیونکہ ان کے پیٹ، رپیر، ڈبے وغیرہ ان کے استعمال کی نشان دہی کرتے ہیں۔ دنیا کے سبھی بڑے شہروں میں یہ غلاظت تقریباً ملتی جلتی ہی ہوتی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اپنی ناول ”خس و خاشاک زمانے“ میں لکھتے ہیں:

”نیویارک شہر کی ساری گندگی، غلاظت اور ثقافت اپنے کاندھوں پر لاتے ہوئے انعام اللہ نے اپنے آپ سے سوال کیا.. خالی ڈبے.. بوتلیں، کارٹن،.. بیزار کے بوسیدہ ہو چکے ٹکڑے.. غلیظ چھتڑے.. اخبار.. بچوں کے ڈاٹیر.. اس شہر کی ثروت اور گناہوں کا سارا بوجھ.. یہ کیسا رزق ہے“^۲

یہ جدید طرز حیات انسانوں کے درمیان ربط کو کمزور سے کمزور کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے ان میں انسیت اور اپنائیت کا جذبہ معدوم ہوتا جا رہا ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کے لیے اکساتا ہے۔ اس کساد بازاری نے لوگوں میں اجنبیت اور مغائرت پیدا کی ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے حساس لوگ منشیات اور بے گھری کا شکار ہو کر گھومتے ہیں اور ان کو کوئی سنبھالا دینے والا نہیں ہے۔ جدید بڑے شہر بہت بے رحم ہوتے ہیں وہ کسی کو پناہ دینے کے لیے رضامند نہیں ہوتے:

پانک فلپ (Patik Phillip) کی بیش قیمت گھڑی، ٹیفنی کے کف لنکس اور آنکھوں پر رے بین کی عینک اس کے متمول ہونے کی غمازی کر رہے تھے "۶"
اس طرح فلومارکیٹ "میں لکھتے ہیں:

"مجید کی نظر کپڑوں سے لدے ہوئے ہینگروں پر پڑی جن میں ارمانی، باس، ورساچے، اور ٹونی بل فگر جیسے بڑے بڑے ڈیزائنوں کے کپڑے ٹنگے تھے" (فلومارکیٹ) ۷
مستنصر حسین تارڑ نے "خس و خاشاک زمانے" میں رالف لارین کا ذکر کیا ہے:

"گاؤں کی اس مہنگی ترین سٹریٹ میں رالف لارین والوں کو بھی اپنے شوروم کے لیے جگہ حاصل نہیں ہوئی تھی اس کے باوجود کہ وہ لاکھوں ڈالر کی بیٹیگی ادا بیٹیگی کرنے کے لیے تیار تھے" ۸

جدید طرز حیات کا ایک ڈریس کوڈ ہے جو دنیا بھر میں ایگزیکٹوز کی پہچان ہے اور ان کو دیکھ کر کوئی بھی آدمی ان کے ملبوس سے ان کی وطنیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ تارڑ نے اس ڈریس کوڈ کو اپنے ناول "خس و خاشاک زمانے" میں یوں بیان کیا ہے:
"ایک معزز نیویارکر.. سیاہ سوٹ، سرمئی ٹائی اور سیاہ ہیٹ میں، ہاتھ میں ایک بریف کیس، جوتے پالش سے دیکتے ہوئے" ۹

جدید دنیا میں ترقی کا معیار ایجادات ہیں۔ کوئی قوم خواہ اس کا ماضی کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو جب تک ایجادات کی دوڑ میں اپنے آپ کو آگے لانے اور دیگر اقوام سے مسابقت پیدا نہیں کرے گی اس وقت تک وہ جدید طرز حیات سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی۔ مسلمانوں کا بھی یہی المیہ ہے کہ وہ ایجادات کی دوڑ میں شامل ہونے کی بجائے غیبی مدد کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہی۔ تارڑ کے بقول:

"جس نے پچھلے پانچ سو برس سے ایک نیل کٹر بھی ایجاد نہیں کیا تھا اور محض آسمانی امداد کے طلب گار اپنے رب کے آگے سجدے کرتے گڑگڑاتے.. اے رب ان کفار کو نیست و نابود کر دے کی دعائیں مانگتے رہتے تھے.. لیکن ادھر سے.. آسمانوں سے، غیب کے فرشتوں نے کہاں اترا تھا...
ٹیکنالوجی نے ان کے پر جلا دیئے تھے" ۱۰

عطیہ سید اپنے افسانوں میں زیادہ تراٹلی کی تہذیب و ثقافت کو پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جدید معاشرت کے مختلف پہلوؤں کو بھی آشکار کیا ہے۔ "فریب آرزو" میں اس جدید معاشرت کے لباس کی صورت حال یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ یکدم اٹھی، پھٹی ہوئی میکسی کو تن سے جدا کیا، نیلی جینز، نیلی پیلی دھاریوں والی کرتی پہنی اور روم

کے گلی کوچوں کی خاک چھاننے نکل پڑی۔ ۱۱

اقبال متین نے "شہر آشوب" میں بڑے، جدید اور صنعتی شہروں میں گاڑیوں اور آٹوموبائل کی جدید صورت کی تصویر کشی

یوں کی ہے:

"کیسی گہما گہمی تھی۔ ساری سڑکیں لگتا تھا، ہوا کے دوش پر اڑی جا رہی ہیں۔ حالاں کہ سڑکیں جوں

کی توں شہر بھر میں بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر دوڑتی ہوئی موٹریں، بسیں، آٹو، اسکوٹریں، سائیکلیں اس

طرح دوڑتی تھیں کہ سڑک نظر نہ آتی تھی۔ ۱۲

جدید ترین طرز حیات میں اس قدر تیزی سے تبدیلی کا عمل رونما ہو رہا ہے کہ لگتا ہے جیسے انسان کسی تیز رفتار گاڑی میں بیٹھا ہو

جہاں بہت تیزی سے مناظر بدلتے جاتے ہیں اور لگتا ہے کہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی کچھ نہیں دیکھا۔ نیر اقبال علوی اپنے

افسانے "خوابش" میں اسی صورت حال کو بیان کرتے ہیں:

"انسان طویل سفر کرنے کے بعد بڑے فخر سے اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے، لیکن۔۔۔ اس

کی آنکھیں ابھی مکمل طور پر نہیں کھل سکیں۔۔۔۔۔ شاید کرہ ارض کو اچھی اور صاف نگاہوں سے

دیکھنے کے لیے انسان کو مزید چند صدیاں درکار ہوں گی۔ ۱۳

غازیہ شاہد جدید زندگی کی صرف اشیا کے بارے میں ہی بیان نہیں کرتیں بلکہ ان کا اسلوب اور زبان بھی جدید ہے جو انگریزی

الفاظ سے مزین ہے جو ان کے بیان میں بھی جدت کا مظہر ہے۔ "ایک تھی چڑیا" میں لکھتی ہیں:

"کہاں سے سنتی ہو ایسی اوٹ پٹانگ کہانیاں؟

ماں نے بالوں میں لگے رولر ٹائٹ کرتے ہوئے پوچھا

ماما! رضیہ سناتی ہے یہ کہانی مجھے اچھی لگتی ہے

بچی نے ماں کے گالوں پر Kiss کرتے ہوئے بتایا۔ ۱۴

جس جدید طرز زندگی کو عالمی تناظر میں ہمارے لوگوں اور بالخصوص اوپری طبقے نے اختیار کیا ہے اس سے ہماری روایات اور

قدیم اقدار ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ "ایک تھی چڑیا" کا یہ اقتباس اس کی عکاسی کے لیے کافی ہے:

"یہ بزنس پارٹی بھی بہت عجیب ہے یہاں سب کی بیویاں ساجھی ہوتی ہیں۔ بیک ورڈ لوگوں کی طرح ان میں عزت، غیرت، آن نہیں ہوتی یہاں عورت صرف عورت ہوتی ہے، سچی سنووری نازواد کھاتی۔ اس کے ہنسنے بولنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اور جب شوہر کا بزنس پارٹنر کسی عورت کی کمر میں ہاتھ ڈالے Low Neck کے سلیو لیس ڈریس میں آدھی ڈھکی عورت کو لیے پارٹی سے باہر چلا جائے تو کوئی اعتراض نہیں کرتا۔" ۱۵

نیر اقبال علوی ایک طرف جدید معاشرے میں مسابقت کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کے زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے جدید معاشرت کے انعام یعنی ڈپریشن اور فرسٹریشن کی بات کرتے ہیں جس کا حوالہ انہوں نے "ٹوٹا ہوا کھلونا" میں یوں دیا ہے:

"ہنسنے اور خوش رہنے کے زمانے تو کب کے لد گئے۔ اس زمانے کے انسانی چہروں پر تو رونا

سجتا ہے، کیوں کہ جدھر دیکھو، ڈپریشن اور فرسٹریشن کے موسم چھائے رہتے ہیں" ۱۶

اور دوسری طرف زیادہ جوان اور پرکشش نظر آنے کے لیے اور دوڑتی ہوئی زندگی کی لگام تھامنے کے لیے کی جانے والی تگ و دو

کا بھی ذکر کرتے ہیں جو خواتین میں خصوصاً اور مردوں میں محسوس ہوتی جاتی ہے۔ جدید طرز زندگی میں انسانی ترجیحات بدل گئی ہیں لیکن

توقعات وہی ہیں جن کی وجہ سے اکثر قدیم اور جدید نسل میں تناؤ رہتا ہے۔ اس کا ذکر نیر اقبال علوی نے "انتقام" میں یوں کیا ہے:

"صبحی شہریار، انیس سالہ یا سمین کی چالیس سالہ ماں ہی نہ تھی، بلکہ ماں کا رول نبھانے سے زیادہ

اس کو اپنے لیڈیز گارمنٹس کی فیشن ایبل بوتیک بھی بہت عزیز تھی جس کی جڑوں میں جوان و خوب

رو بدن کی ان تھک محنت کی کھاد اور گھریلو زندگی کو انور کرتے ہوئے بے شمار قیمتی وقت اس

پودے کی نگہبانی و آبیاری میں صرف کر کے اس کو تن آور درخت کا روپ عطا کیا تھا۔" ۱۷

محمد حمید شاہد نے "رکی ہوئی زندگی" میں مدور جدید میں سب سے زیادہ تیزی سے پروان چڑھنے والی کاسمیٹکس انڈسٹری کو یوں

موضوع بنایا ہے:

"سارا کمرہ، امپورٹڈ ہاڈی لوشنز اور پرفیومز سے مہکنے لگتا۔ اسی مہک میں کپڑوں کی سرسراہٹیں

جاگتیں، ویکہ رنگ اور پفنگ کے بعد بلش آن اور کاسمیٹکس کے انتخاب میں ایک مدت گزر

جاتی۔" ۱۸

جدید طرز حیات جدید نظریات سے عبارت ہے اور آج کل سب سے رواں نظریہ بین المذاہب ہم آہنگی کا ہے جسے مبین

مرزانے "سفید پھولوں کے اس طرف" میں یوں پیش کیا ہے:

"سارے مذاہب انسان سے محبت کا درس دیتے ہیں، اس لیے کسی بھی مذہب کو اختیار کیا جاسکتا

ہے" ۱۹

جدید زندگی کی سب سے نمایاں ظاہری حالت لباس ہے۔ عالم گیریت کے تحت لباس نا صرف یکسانیت اختیار کر رہا ہے بلکہ اس میں جدت بھی آرہی ہے اور یہ جدت بعض اوقات نہایت مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ کیوں کہ لباس کی تراش خراش کا اب کوئی معین فارمولہ نہیں رہا۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے سفر نامے "نیویارک کے سورنگ" میں لکھتے ہیں:

"لباس بھی کوئی ایک نہ تھا.. جس کے جی میں جو آیا وہ اس نے پہن لیا تھا.. اگر جی میں نہیں آیا

تو صرف وہاں وہاں پہناتا تھا جہاں جہاں مجبوری تھی" ۲۰

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مرزا اطہر بیگ لباس کی اس پیش کش میں مختلف تہذیبوں اور ان کے انداز نظر کو بھی پیش کرتے ہیں۔ "صفر سے ایک تک" میں اسی کشاکش کو یوں بیان کیا ہے:

"والدہ کے پاس بیٹھ گیا چانک ان کے منہ سے چیخ سی نکلی انہوں نے مری آگے پیچھے سے بری طرح

گھسی ہوئی جین دیکھ لی تھی۔ اور پھر جو آہ وزاری انہوں نے شروع کی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میری

حالت اتنی تباہ ہو چکی ہے کہ "لیریں" پہننے پر مجبور ہو چکا ہوں۔ بہنیں ہنستی تھیں کہ بہر حال وہ اس

انوکھے مغربی فیشن کو سمجھتی تھیں" ۲۱

اردو کے جدید نثر نگاروں نے جدید طرز حیات کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا اور مقامی اور بین الاقوامی طرز حیات میں آنے والی تبدیلیوں اور ان کے مظاہر بلکہ دیگر ملکوں اور معاشروں کے طرز حیات کے ساتھ آویزش کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اس طرح عالم گیریت کا یہ پہلو بھی اردو ادب کا ایک بڑا حصہ بن گیا ہے۔

سائنسی شعور نے لوگوں کو بہت خود آگاہی دی ہے جس سے توہمات کا خاتمہ ہوا ہے۔ آج دنیا بھر میں سائنسی معلومات، ایجادات اور دریافتیں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آفرین تبدیلیاں لارہی ہیں۔ جہاں یہ جدید ترین سائنسی معلومات اور سہولیات نہیں پہنچی وہاں لوگوں کو بعض جدید مظاہر کو سمجھنے یا قبول کرنے میں تردد ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں شعر و ادب میں بھی سائنسی شعور کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے اور اردو ادب بھی اس سے مبرا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے افسانوں میں ایسے بے شمار موضوعات ہیں جن کا تعلق سائنسی شعور کے ساتھ جا ملتا ہے۔ مثلاً نیر اقبال علوی نے اپنے افسانے "دھند" مضمولہ مجموعہ 'جہان رنگ و بو' میں خاندان کی

وفات کے چار سال بعد اس کے منجمد نطفے سے ماں بننے والی بیرون ملک مقیم عورت کو موضوع بنایا ہے جس کے پاکستان میں رہنے والے سسرال والے مشرق میں سائنس کی اس ایجاد کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اور وہ اس بچے کی پیدائش کو اس عورت کی آوارگی پر محمول کر کے ٹھکرادیتے ہیں۔ اسی طرح جینز میں لائی جانے والی تبدیلیوں کے حوالے سے محمد مظہر الزماں خاں اپنے افسانے ”دستاویز“ میں رقم طراز ہیں:

”نصاب اور تاریخ کی کتابوں کے علاوہ شہروں اور ملکوں بلکہ نطفوں کی شکلیں تک بدلی جا رہی

ہیں۔“ ۲۲

سجاد تبسم نے عورت اور مرد کے حیاتیاتی مرکزے کے اجزایں یعنی کروموسومز کی بحث کو افسانے میں نہایت خوب صورتی سے سمودیا ہے جس نے عورت کی خامی اور کوتاہی کے عمومی خیال کی تکذیب کر دی ہے۔ سائنس بچے کی جنس یعنی مذکر یا مونث ہونے کی ذمہ داری مرد پر ڈالتی ہے جب کہ ہمارے معاشرے میں عموماً عورت کو قصور وار ٹھہرا کر مار پیٹ، طلاق، سوتن یا بعض اوقات قتل کی صورت میں ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن سجاد تبسم نے اس مہین فرق کو نہایت سائنسی انداز میں یوں واکیا ہے:

”مردوزن کے کروموسومز تو برابر ہیں لیکن ایک باریک فرق کروموسوم کی شکل کا ہے۔ مرد میں

ایکس وائی "xy" جب کہ عورت میں ایکس ایکس "xx" کروموسومز پائے جاتے ہیں۔ مرد کا ایک

کروموسوم "y" کمزورے اور دوسرے معنی میں مکمل نہیں ہوتا جبکہ عورت کے تمام کروموسوم مکمل

ہوتے ہیں۔“ ۲۳

جب کہ منیر الدین منیر ”موروثی مرض“ میں بتاتے ہیں کہ ڈی این اے ٹیسٹ سے بچے کی اصل ولدیت جاننا اب معمولی بات

ہے:

”دوسرے بیٹے کی پیدائش پر پتہ چلا کہ اسے ایک موروثی مرض لاحق ہے، جس کے بارے میں

گو نتھر جانتا تھا کہ وہ اس کے خاندان میں نہیں اس نے چاروں کا DNA ٹیسٹ کرایا تو کھلا کہ دونوں بچے

گو نتھر کے تخم سے نہ تھے۔“ ۲۴

جہاں جدید علوم و فنون نے انسان کو اس قدر باریک بینی عطا کی ہے وہیں اس کو وقت کے دھارے اور خلائے بسط میں دور تک دیکھنے کا ملکہ بھی عطا کیا ہے۔ جو کائنات کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ اس حوالے سے سب سے اہم اور مقبول سائنسی نظریہ ”بگ بینگ“ یا عظیم دھماکے کا ہے۔ محمد شاہد حمید اسے بھی اردو افسانے کی سلطنت میں لے آئے ہیں:

"زندگی کی حقیقت جاننے کے جتن کرنے والے کچھ لوگ پہلے پہل کائنات کو ٹھہرا ہوا اور جامد قرار دیتے رہے مگر بہت جلد مردود ٹھہرے کہ بگ بینگ کے نظریے نے جامد کائنات والی جامد فکر کے پرچے اڑا دیے تھے۔" ۲۵

دوسری طرف کائنات کے خاتمے کا نظریہ بلیک ہول ہے جس کا منفی بار اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے اندر جو بھی چیز جائے گی اپنا وجود ختم کر دے گی۔ "یہ گھر" میں رشید امجد اس خالص سائنسی نظریے کو بھی افسانے میں سمونے میں کامیاب ہو گئے ہیں:

"کبوٹرا اڑا جا رہا ہے اور لمحہ بہ لمحہ ایک بلیک ہول کے قریب ہوتا جا رہا ہے لیکن اس کی اڑان میں ایک ایسی مستی اور جلال ہے کہ وہ بلیک ہول کی کشش میں آنے کی بجائے اپنا الگ رخ اختیار کر رہا ہے۔" ۲۶

جدید علوم فنون کا سپر سٹرکچر ہی وہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہے جس کی بدولت عالم گیریت کا عمل ممکن ہو سکا ہے اور جس کی وجہ سے کرہ ارض کے فاصلے مٹ گئے ہیں اور اس کی وجہ سے لوگوں کو ایک دوسرے سے شناسائی اور ایک دوسرے تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ ہر علم شاخ در شاخ تقسیم ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس طرح ہر شعبے میں تخصیص یا سپیشلائزیشن کا رجحان ترقی کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بین الموضعاتی مطالعہ (Inter-Disciplinary Study) نے ہر آدمی کے لیے تمام علوم کی شدہ بدھ کو ضروری قرار دیا ہے۔ لہذا اب ایک لکھاری محض لکھاری ہی نہیں بلکہ اسے معاشیات، نفسیات، بشریات، سماجیات، سیاسیات، میڈیکل سائنسز، خلائی تحقیقات، سمندری مخلوقات، جغرافیہ تاریخ اور تمام علوم جدیدہ سے کما حقہ آگاہ ہونا چاہیے۔ جب وہ کوئی تحریر لکھے تو جہاں جس علم کی ضرورت پڑے اسے مناسب طور پر استعمال کرنا چاہیے۔ یہی بنیادی شرط قاری پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی جدید علوم و فنون اور ان کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اسے جدید دور میں لکھے جانے والے ادب کی تفہیم ہو سکے کیوں کہ عالم گیر معاشرے میں عالم گیر روایات کی ماتحت عالم گیر علوم کا استعمال ادب میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اردو فکشن میں بھی جدید علوم و فنون اور ان کی اصطلاحات کے استعمال

کی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں۔ نیر اقبال علوی نے اپنے افسانے ”ٹوٹا ہوا کھلونا“ میں طب کی جدید ٹیکنالوجی اور اس کے اصطلاحات کا ذکر یوں کیا ہے:

”لفافہ کھولا تو آٹھ سال قبل کار کے حادثے میں شدید زخمی ہونے والی صائمہ کے سر کا سی۔ ٹی۔ سکین، کمپیوٹرڈ موگرافی اور ڈاکٹری رپورٹ تھی جس میں نیوروسرجن نے حادثے کے بعد مریض کی مجموعی شخصیت میں آنے والی تبدیلی، اس کے رویے کے بدلنے کے آثار اور مستقبل میں ذہن پر مرتب ہونے والے غیر صحت مند اثرات کی نشاندہی کی تھی۔“ ۲۷

مجید سلیم ”پیاسا سمندر“ میں علم نفسیات اور جدید دنیا کی عام بیماری یعنی فرسٹریشن کا ذکر کرتے ہیں:

”سیدھے انسانوں کی نفسیات رہی ہے کہ وہ Frustration کا بوجھ کسی ہمدرد کے سامنے اگل دیتے ہیں۔“ ۲۸

فیصل عجمی نے اپنے افسانے ”آفرینش“ میں انسان کے دھوئیں میں تحلیل ہو جانے کے سائنسی نظریے I.H.C. کو یوں بیان کیا ہے:

”سب کچھ ممکن ہے۔ نیل! یہ دنیا پر اسرار چیزوں سے بھری پڑی ہے۔ جیسے I.H.C یعنی Instant Human Combustion۔ اس میں تو انسان ہڈیوں سمیت کسی اندرونی بے پایاں آگ سے دھوئیں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔“ ۲۹

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامے ”نیویارک کے سورنگ“ میں بھی سائنسی نظریات کو داخل کر دیا ہے۔ اگرچہ ان کی اساس پھر بھی مذاہب کے مقدس صحیفوں میں ہی جا نکلتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”وہ اپنی مقدس کتاب میں سے دنیا کی ہر سچائی.. ہر انسانی ایجاد.. جدید ترین سائنس کے کمالات.. یہاں تک کہ تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور ایٹم بم اور جینز کی تھیوری کی واضح نشانیاں بھی دریافت کر کے نہایت فخر سے اعلان کرتا ہے کہ یہ سب کچھ جو آج جانا گیا ہے اور آئندہ صدیوں میں جانا جائے گا وہ تو ہزاروں برس پیشتر لکھا جا چکا ہے۔“ ۳۱

ادب میں سائنسی نظریات صرف بیان ہی نہیں کئے گئے۔ بعض اوقات ان کے تشریح و تعبیر اور کئی صورتوں میں تکذیب بھی کی گئی ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جو لیس سیزر کو اس کی ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا اس لیے اس آپریشن کا نام "سیزیرین آپریشن" رکھا گیا لیکن سلمیٰ اعوان اپنے سفر نامے "مصر میرا خواب" اس غلط فہمی کی قلعی یوں کھولتی ہیں:

"جو لیس کے بارے میں ایک غلط بات کا ازالہ ضروری ہے کہ وہ دنیا کا پہلا سیزیرین بچہ تھا۔ وہ خود

نہیں بلکہ اس کا یہ قانون Lax Cesareo یعنی Law of Cesareo تھا کہ صحت مند بچے کو ماں کا

پیٹ چاک کر کے نکال لیا جائے۔ اس عمل میں ماں مرتی ہے مر جائے، بچہ زندہ رہنا چاہیے" ۳۲

سائنسی نظریات، ایجادات اور دریافتیں صرف ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہی نہیں بنیں بلکہ ان کا اظہار دنیا بھر کے ادب میں "سائنس فکشن" کی صورت میں بھی کیا گیا ہے اور عمومی فکشن میں بھی۔ اردو ادب میں بھی ان کی کمی نہیں یہی وجہ ہے کہ اردو ادب ان سائنسی موضوعات کی وجہ سے عالمی ادب سے مربوط نظر آتا ہے۔ آج جب ہم اکیسویں صدی میں لکھے جانے والے اردو ادب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اردو ادب نے جدید سماجی زندگی اور جدید طرز حیات کے مسائل کو، خواہ وہ ہمارے معاشرے کے ہوں یا دیگر معاشروں کے ہوں، بڑی خوبصورتی، ایمانداری اور سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

- ۱- بانو قدسیہ؛ ۲۰۰۴ء؛ حاصل گھاٹ؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ص ۱۲۴، ۱۲۳
- ۲- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۳۶
- ۳- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۳۶
- ۴- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۳۳
- ۵- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۳۳
- ۶- نیر اقبال علوی؛ عالم سوز و ساز؛ لاہور؛ ملٹی میڈیا افیئرز؛ ۲۰۰۵ء؛ ص ۸۳
- ۷- نیر اقبال علوی؛ عالم سوز و ساز؛ لاہور؛ ملٹی میڈیا افیئرز؛ ۲۰۰۵ء؛ ص ۶۵
- ۸- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۵۳
- ۹- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۴۵۹
- ۱۰- مستنصر حسین تارڑ؛ خس و خاشاک زمانے؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۵۰۴
- ۱۱- عطیہ سید؛ حکایات جنوں؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۰۱ء؛ ص ۱۲۷
- ۱۲- رشید درانی، یسین احمد، مرتبین؛ ہر ذرہ ستارہ ہے؛ دہلی؛ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس؛ ۲۰۰۶ء؛ ص ۶۹-۷۰
- ۱۳- نیر اقبال علوی؛ جہان رنگ و بو؛ لاہور؛ ملٹی میڈیا افیئرز؛ ۲۰۰۵ء؛ ص ۷۶
- ۱۴- غازیہ شاہد؛ گھن لگے در پیچے؛ لاہور؛ اظہار سنز؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۲۷
- ۱۵- غازیہ شاہد؛ گھن لگے در پیچے؛ لاہور؛ اظہار سنز؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۳۱
- ۱۶- نیر اقبال علوی؛ سلسلہ روز و شب؛ لاہور؛ ملٹی میڈیا افیئرز؛ ۲۰۰۵ء؛ ص ۲۱
- ۱۷- نیر اقبال علوی؛ سلسلہ روز و شب؛ لاہور؛ ملٹی میڈیا افیئرز؛ ۲۰۰۵ء؛ ص ۷۱
- ۱۸- محمد حمید شاہد؛ مرگ زار؛ کراچی؛ اکادمی بازیافت؛ ۲۰۰۴ء؛ ص ۳۳
- ۱۹- مبین مرزا؛ خوف کے آسمان تلے؛ کراچی؛ اکادمی بازیافت؛ ۲۰۰۴ء؛ ص ۱۵۹
- ۲۰- مستنصر حسین تارڑ؛ نیویارک کے سورنگ؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۵۴
- ۲۱- مرزا اطہر بیگ؛ صفر سے ایک تک؛ لاہور؛ سا نچھ پبلی کیشنز؛ ۲۰۰۹ء؛ ص ۲۰۴
- ۲۲- رشید درانی، یسین احمد، مرتبین؛ ہر ذرہ ستارہ ہے؛ دہلی؛ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس؛ ۲۰۰۶ء؛ ص ۳۲۱
- ۲۳- سجاد تبسم؛ لو تھڑا؛ لاہور؛ خزینہ علم و ادب؛ ۲۰۰۲ء؛ ص ۱۰۱
- ۲۴- منیر الدین احمد؛ لافانی عشق اور دوسرے افسانے؛ لاہور؛ قوسین؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۹۵
- ۲۵- محمد حمید شاہد؛ مرگ زار؛ کراچی؛ اکادمی بازیافت؛ ۲۰۰۴ء؛ ص ۱۲۱
- ۲۶- رشید امجد؛ عام آدمی کے خواب؛ اسلام آباد؛ پورب اکادمی؛ ۲۰۰۷ء؛ ص ۷۳۰

- ۲۷- نیر اقبال علوی، سلسلہ روز و شب، لاہور، ملٹی میڈیا انٹرنیٹ، ۲۰۰۵ء؛ ص ۲۵
- ۲۸- رشید درانی، یسین احمد، مرتبین؛ ہر ذرہ ستارہ ہے؛ دہلی؛ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس؛ ۲۰۰۶ء؛ ص ۲۷۷
- ۲۹- فیصل عجمی، سونامی، اسلام آباد؛ آثار اکادمی؛ ۲۰۰۹ء؛ ص ۲۰۶
- ۳۱- مستنصر حسین تارڑ؛ نیویارک کے سورنگ؛ لاہور؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ ۲۰۱۰ء؛ ص ۲۹۸-۲۹۹
- ۳۲- سلمی اعوان؛ مصر میرا خواب؛ اسلام آباد؛ دوست پبلی کیشنز؛ ۲۰۰۸ء؛ ص ۱۷۸